

# کشمیر پاکستان کی شہرگ

کشمیر کو دنیا کی جنت کہا جاتا ہے، لیکن یہ خوبصورت وادی کئی دیاں ہوں سے تنازعات، حون ریزی اور ظالم و ستم کا شکار ہے۔ کشمیر کی ایمیٹ صرف اس کے قدرتی حسن تک محدود نہیں بلکہ یہ پاکستان کے لیے ایک خاص جغرافیائی، معاشی، تاریخی، اور جنگی حیثیت رکھتا ہے۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے کشمیر کو پاکستان کی شہرگ قرار دیا تھا، اور یہ جملہ آج بھی پاکستانی عوام کے دلوں میں زندہ ہے۔ اس بیان نے پاکستان کی ریاست پالیسی اور عوامی جنبات میں کشمیر کے لیے ایک خاص جگہ بنادی ہے۔

”کشمیر کی آزادی صرف کشمیری عوام کا حق نہیں بلکہ یہ برصغیر کے امن کا مسئلہ ہے۔“

کشمیر کی جغرافیائی حیثیت پاکستان کے لیے عنیر معمولی ایمیٹ رکھتی ہے۔ یہ علاقہ شمال میں واقع ہے اور قدرتی وسائل سے ملا مال ہے۔ کشمیر سے نظرے والی ندیاں، جیسے دریائے سندھ، جhelum اور دراب پاکستان کے زراعتی نظام کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ پہ ندیاں نہ صرف زین کو زد خیر بنائیں بلکہ پاکستان کی میہشت کا بھی ایم حصہ ہیں۔ اگر ان پانیوں کا بہاؤ رو جانے تو پاکستان شدید خشک سالی اور معاشی بحران کا شکار ہو سکتا ہے۔ ”کشمیر کا مسئلہ دنیا کے کشمیر کا امتحان ہے۔“



کشمیر کی تاریخ آزادی کے بعد سائیں متنازع رہی ہے۔ 1947ء میں جب برلنگٹن تقسیم ہوا، تو فیصلہ ہوا کہ مسلم اُثریتی علاقے پاکستان میں شامل ہوں گے۔ کشمیر، جس کی آبادی بیکھریت مسلمان تھی، قدرتی طور پر پاکستان کا حصہ بننا جائز تھا۔ لیکن ہمارا جہا بھری سنگھ، جو ایک ہندو حکمران تھا، نے بھارت کے ساتھ الحاق کا اعلان کر دیا۔ اس فیصلے کے نتیجے میں دونوں عالیٰ کے درمیان جنگ ہوئی، اور کشمیر کا ایک بڑا حصہ پاکستان کے قبضے میں آگیا، جس آج آزاد کشمیر ہما جاتا ہے، جبکہ باقی حصہ بھارت کے کنسروول میں ہے۔

”آزادی وہ خوشبو ہے جو خون سے سینجی

گئی میں سے اٹھتی ہے۔“

پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح نے کشمیر کو پاکستان کی شہرگز قرار دیتے ہوئے اس کے ایم گردار کو اچادر کیا۔ انہوں نے یہ واضح کیا کہ کشمیر پاکستان کے وجود اور ترقی کے لیے ناگزیر ہے۔ شہرگز کی اہمیت جسم کو نہیں ہے جو کشمیر کی اہمیت پاکستان کے لیے ہے۔ یہ بیان پاکستان کی عوام کے لیے ایک تحریک بن گیا کہ وہ کشمیر کے لیے سر قربانی دینے کو تیار رہیں۔

”آزادی کبھی بھی مفت میں نہیں ملتی؛ اس کے لیے قربانی دینی بڑتی ہے۔“

کشمیر کی فرمی زرخیز ہے اور وہاں سے نظرِ قادر بانی کے ذخائر پاکستان کے زرعی شعبے کے لیے بزرگی حیثیت رکھتی رکھتے ہیں۔ پاکستان کی زراعت کا دار و مدار انہی بانیوں پر ہے، اور یہ بانی بھارت کے کنسروول میں جا سکتا ہے۔ بھارت نے کئی مراقبہ پر ان بانیوں کو روشنے کی کوششی کی ہے، جس سے پاکستان کی



زراعت کو نقصان بہینا ہے۔ دنایی نقطہ نظر سے بھی لشمنیر ایک اہم مقام پر واقع ہے۔ یہ خطہ پاکستان اور بھارت کے درمیان ایک فرنگی سرحد قراہم کرتا ہے اور رشمیں کے حلوں کو روکنے میں مددگار ثابت ہے۔

مقام۔

لشمنیر کی عوام کی دیائیوں سے بھارتی تسلط کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ بھارتی حکومت یہنے عیاں پر بے منہماں مظالم ڈھماکہ نہیں، بلکہ میں، قتل عام، اجتماعی قبیریں، اور انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں شامل ہیں۔ لشمنیری عوام ان تمام مظالم کے باوجود اپنی آزادی کے لیے قربانیاں دے رہے ہیں۔ ان کی جدوجہد اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ بھارت کے ساتھ نہیں بلکہ پاکستان کے ساتھ جڑنا چاہتے ہیں۔

**”ہم ہماروں کی اولاد ہیں، ظلم کی آندھی ہمیں جھکا نہیں سلتی۔“**

بھارت نے نہ صرف لشمنیر پر ناجائز قیفہ کر رکھا ہے بلکہ عیاں کے عوام پر جبر اور ظلم کے ہمارا تور دیے ہیں۔ 15 اگست 2019 کو بھارت نے آئین کے آرٹیکل 370 کو ختم کر کے لشمنیر کی خصوصی جمیعت کو ختم کر دیا، جس سے حالات مزید خراب ہو گئے۔ بوازق حکومت نے اس اقدام کے خلاف پاکستان نے شدید احتیاج کیا اور دنیا کے ہر قوم پر لشمنیری عوام کا مقدمہ رکھا۔ مسئلہ لشمنیر کا واحد حل ہی ہے کہ لشمنیری عوام کو ان کا حق خود ارادت دیا جائے۔ اپنی آزادات طور پر یہ فیصلہ کرنے دیا جائے کہ وہ پاکستان کے ساتھ رینا چاہتے ہیں یا بھارت کے ساتھ۔ عالمی برادری کو اس مسئلے کو سنبھالی سے لینا ہوگا اور بھارت نے دباؤ ذالنا ہوگا کہ وہ اقوام متعدد کی قراردادوں پر عمل کرے۔

”جو حق کے لیے رہتا ہے، وہ کبھی شکست  
نہیں کھاتا۔“

کشمیر پاکستان کی شہرگی ہے، اور اس حقیقت کو کوئی  
جھوٹلا نہیں سکتا۔ یہ نہ هرف پاکستان کے لیے جغرافیائی  
اور معاشی ایمپیٹ رکھتا ہے بلکہ یہ پاکستانی عوام کے  
دلدی کے قریب ہے۔ کشمیری عوام کی قربانیاں اور  
ان کی جڑ و جہد پاکستان کے عوام کو یہ نیقانم دیتی ہے  
کہ حق کی نظر ان کبھی آسان نہیں ہوتی۔ لیکن اسے  
جاری رکھنا ضروری ہے۔ یہیں بھیشتم قوم کشمیر کے  
لیے بہر عکن کوشش کرنی چاہیے تاکہ یہ خوبصورت  
وادی نظم و جبر سے آزاد ہو کر پاکستان کا حصہ بنے اور  
امن و خوشی کا گواہ بن سکے۔

” یہ داع داع اجلا، یہ شب گزیدہ سحر  
وہ انتظار حقا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں

۱ مصنف لکھتے ہیں کہ انہوں نے مولوی نذیر احمد کو صرف پانچ برس کی عمر میں آخری بار دیکھا تھا۔ جب وہ اپنے بہا اور دو بھائیوں کے ہمراہ دہلی میں کھاری بادی کے علاقے میں ان کے گھر پہنچے۔ حفیدہ اڑھی اور کٹوپ پہنچنے والے ایک شخص سے بالپت کر خوب روئے اور ہم سے کہا کہ دادا کو سلام کرو۔ مولوی صاحب نے ہمیں قریب بایا، پیار کیا اور ایک ایک اشرفتی سب کو عطا کی۔ اس کے بعد مولوی صاحب کو دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ مولوی نذیر احمد صاف گواہ رہے باک انسان تھے۔ زمانہ سازی انہیں بالکل نہ آتی تھی یہی وجہ ہے کہ حیدر آباد گن میں ایک بڑا عہدہ اور ”غیور جنگ“ کا قاب چھوڑ کر دہلی چلے آئے۔

ریاست جاودہ کے نواب افتخار علی خان کے بھائی نواب سرفراز علی سخت یہاں ہوئے۔ دنیا بھر کے علاج کرتے مگر انہوں نے نہ اونیں خواب میں مولوی صاحب کا کیا ہوا قرآن کا ترجمہ چھپوانے کا اشارہ ہوا۔ جس کی مولوی بشیر احمد نے اجازت دے دی۔ ترجمہ دو جلدوں میں شائع ہوا تو وہ بالکل تند رست ہو گئے۔

مولوی نذیر احمد کا بچپن مصاحب میں گزرا۔ وہ اپنے بچپن کے واقعات بڑے فخر سے سنایا کرتے تھے۔ ”حسن الفاسیر“ کے مصنف مولوی حسن صاحب نے نذیر احمد کی کہنیوں پر پڑے گنوں کو میل سمجھ کر صاف کرنے کارادہ ظاہر کیا تو مولوی نذیر احمد نے فرمایا کہ پنجابی کشڑے کی مسجد میں رات رات بھر مسجد کے فرش پر کہنیاں لکھا کر پڑھا کر تاتھا، تب سے یہ گئے پڑ گئے ہیں۔

مولوی صاحب بچپن میں اٹھائی جانے والی تکینفوں کا ذکر بڑے فخر سے بیان کرتے تھے۔ جس مسجد میں نظرے تھے اس کا امام بڑا سخت مزان اور بے رحم تھا۔ سخت سردیوں میں یہ اپنے بھائی کے ہمراہ صوف میں لپٹے سورہ ہے ہوتے تو علی الصحن انہیں لات دیکھ کر کے جگادتا۔ مولوی صاحب محلے داروں کے گھر سے روئیاں مانگ کر لایا کرتے تھے۔ انھیں ٹھروں میں ایک گھر کے مالک مولوی

عبد القادر صاحب کا تھا۔ جب یہ ان کے گھر سے روٹی لینے جاتے تو ان سے گھر کے دوسرے کام بھی کرتے جاتے یہاں تک کہ مولوی عبد القادر کی لڑکی کو بہلانا مسالہ پسوانا وغیرہ شامل تھے۔ قسمت دیکھیں بعد میں جا کر یہی لڑکی مولوی صاحب کی بیوی بنی۔ سرال کے خوشحال ہونے کے باوجود شادی کے بعد غیرت مندی کی وجہ سے ان کے ہاں رہنا مناسب نہیں سمجھا۔ محدود آمدنی کے باوجود ایک جھونپڑی ناممکن میں اٹھ آئے۔ دہلی کالج سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد کچھ عرصہ فارغ رہے مگر بعد میں مازمت مل گئی۔

مولوی صاحب اپنی قابلیت کی بنابر سر سید کے مقررین میں شامل تھے۔ جب کہ وہ سر سید سے بیس بائیس سال چھوٹے تھے۔ کالج میں ایک دفعہ لاکھوں کا غبن ہوا۔ سر سید کے لیے کالج چلانا مشکل ہو گیا۔ مولوی صاحب فوراً دہلی سے علی گڑھ پہنچے اور ہر طرح کی مدد کا وعدہ کر کے سر سید کا حوصلہ بڑھایا۔ مولوی صاحب پر اثر تقاریر کرنے سے کالج کے لیے چندہ اگاہنے میں کامیاب رہے۔ لہذا سر سید اکثر دروں پر مولوی صاحب کو اپنے ساتھ رکھتے۔

مولوی نذیر احمد عربی کے عالم تھے قرآن مجید کے ترجمے میں ان کا خلوص، محنت اور علم و فضل کھل کر سامنے آیا۔ انہوں نے مکمل تحقیق و مطالعہ کے بعد اسے شستہ و بامحاورہ زبان میں لکھا۔ ترجمہ کی چھان بیٹن اور چند علماء سے مشورے و تصحیح کے بعد اسے چھپنے کے قابل سمجھا۔ اپنی تمام تصانیف میں مولوی صاحب کو قرآن کا یہی ترجمہ سب سے زیادہ پسند تھا اور وہ اسے اپنے لیے لوٹتے آخرت سمجھتے تھے۔